میمونہ صدف

بس اسی خواہش پہ دم نکلے

www.zemtime.com

کین کا جھولا.....

اس نے پہلی بار واک پہ جاتے، ایک بڑے گھر کے ٹیرس پہ بڑا تب دیکھا تھا، جب ایک نوعمر ماڈرن طرز کی لڑکی اپنی زلفیں کھولے، کانوں میں واک مین اڑسے اسے سن رہی تھی۔ وہ گول پیالی نما بڑا سا کین کا بنا کالے رنگ کا جھولا کالے ہی اسٹینڈ پہ لگا تھا۔ لڑکی ہلکورے لیتے بیک وقت جھولے اور موسیقی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس دور میں اس جیسا جھولا ناپید ہی تھا۔ دل نے شدت سے خواہش کی تھی کہ جب وہ خوب سارا پیسہ جمع کر لے گی تو وہ بھی اس جیسا ایک جھولا اپنے ٹیرس پہ خرید کر اس میں اسی طرح مزے سے بیٹھے گی۔

جب وہ کمانے جوگی ہوئی تو پہلی کمائی سے پہلے ہی فرنیچر کی دکان پہ کین کے جھولے کی قیمت پوچھنے پہنچ گئی۔ قیمت جتنی تو اس کی تنخواہ نہیں تھی۔

''کچھ ماہ کی بچت کی تو بات ہے۔ پھر تم ہو گے اور میں۔'' کین کی سطح کو اپنی انگلیوں سے چھوتے ہوئے خود کلامی کی۔

چھ ماہ کی بچت سے اس نے مطلوبہ رقم جمع کر لی تو بھائی نے ساتھ جا کر لانے سے پہلے اماں کو اس کے منصوبے کی خبر کر دی۔

''کیا ضرورت ہے بھلا اتنا پیسہ اس موئے جھولے پہ اجاڑنے کی.....؟'' اماں تو پیسہ ہو کر بھی ''مرو مرو'' کرتی تھیں۔ ایک بیکار سے شوق پہ کیسے اتنا لٹانے دیتیں۔

''میرا شوق اماں.....'' بات ابھی اس کے منہ میں ہی تھی کہ اماں اس کے پرس سے ساری رقم نکال کر اس کے سامنے لہراتے، اسے دکھاتے ہتھیا چکی تھیں۔

''یہ اچھا ہے۔ کماؤں میں اور لگائیں دنیا والے۔''

بڑبڑاتے ہوئے وہ بستر سے لگ گئی۔ آنسو بہائے، بھوک ہڑتال کی، بات تک کرنا ترک کر دی لیکن اماں مان کر نہ دیں۔ رقم ان ہی کے قبضے میں تھی تو وہ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق صبر ہی کر سکتی تھی۔

''آپا کے بچے، باجی کی فوج جب مل کر اس گھر پہ دھاوا تو تمہارا وہ سپنا مطلب کہ جھولا اسٹینڈ سے اتر کر ہوا میں ہی لٹکا رہ جائے گا۔ اس لیے رہنے دو اس خواب کو جو پورا ہو گا تو چکنا چور ہی ہو گا۔'' اس سے چھوٹی راحیلہ خاصی حقیقت پسند تھی اور اسے جو اس کی حقیقت پسندی ہمیشہ پسند ہی آئی تھی، اس وقت زہر سے بھی بری لگی۔

''اس گھر میں اپنی مرضی سے میں کچھ کر سکتی ہوں یا نہیں ۔۔۔؟'' وہ مٹھیاں بھینچے غصہ کچھ چھپاتے، کچھ دکھاتے چلائی تو راحیلہ نے مزے سے چپس کچر کچر چباتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کھائی پیتی ہو، مرضی سے سوتی جاگتی ہو، آتی جاتی ہو..... اور.....'' وہ ایک ایک کر کے اسے گنوا رہی تھی کہ وہ کتنی مرضیاں چلاتی ہے۔ ''سانس لیتی ہو..... ہاتھ پیر ہلاتی ہو..... چھینکتی ہو، کھانستی ہو..... ہنستی روتی ہو۔

''واقعی اتنا کچھ تو کرتی ہوں میں۔'' تپ کر اس نے چپس کا سارا پیکٹ اس سے جھپٹا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔''

ایک مہینے کی ہر تگ و دو کے بعد بھی جب اماں مان کر نہ دیں تو اس نے اپنے اس معصوم سے شوق کو دل کے اسی ننھے منے سے کونے میں بسے رہنے دیا جہاں وہ پچھلے دس سال سے موجود تھا۔ چند سال اور مکین رہے گا اور پھر مجسم صورت اس کی زندگی میں چلا آئے گا۔

''جب میں شادی کروں گی تو اپنے جہیز میں جھولا لے کر جاؤں گی۔'' اپنے جہیز کی لسٹ میں پہلا مطالبہ اس نے خود کیا تھا۔

پھر نوکری میں ترقی بھی ہوتی رہی تو بھی اماں سے اجازت لینے کی غلطی اس نے دوبارہ نہیں کی۔ ہاں دل میں جو جگہ اول روز سے تھی وہ وہیں اب بھی موجود تھی۔

اظہر کا رشتہ آیا جو ایک معمولی سی پرائیوٹ کمپنی

www.zemtime.com

میں ملازم تھا۔ اماں نے اسی رشتے کی چھان بین کروانے پہ ہاں کردی۔ جہیز میں بس ایک کمرے کا سامان ہی دینا تھا کیونکہ سسرال میں اس کے حصے میں ایک کمرا ہی تو آنا تھا۔

''میرا کین کا جھولا۔'' دل مسوس کر اس نے فرنیچر کی دکان سے نکلتے ہوئے ایک کونے میں وضع وضع کے نمونے دیکھتے ہوئے سوچا۔ اماں کو پتا چلتا تو سونٹی لے کر اس کی کمر پہ جڑ دیتیں کہ ایک کمرے میں بیڈ اور سنگھار میز ہی بہ مشکل پورے آرہے ہیں تو جھولا کیا وہ چھت سے لٹکائے گی یا اپنی گردن سے۔

''ایک بار وہاں میری جگہ بن جائے پھر جھولے کی بھی بنا ہی لوں گی۔'' نئی جہت۔

وہاں اس کی جگہ بھی نہ بن سکی تو جھولے کی کہاں سے بننا تھی۔ سسرال کو خوش کرنے، اپنی جگہ بنانے اور گھر کے کاموں کے پیچھے نوکری تک چھوڑ دی لیکن حالات تو جوں کے توں ہی رہے بلکہ مزید بدتر ہوتے چلے گئے۔ اظہر نے بھابھیوں، ماں اور بیوی کی روزانہ کی چخ چخ سے بچنے کے لیے الگ گھر ہی لے لیا۔

''اب الگ ہو رہے ہو تو سوچ سمجھ کر گھر بھرنا۔ کاٹھ کباڑ نہ اکٹھا کر لینا۔'' اماں نے جہیز کی باقی رقم بھی ہتھیلی پہ دھری اور نصیحت پلو سے باندھی۔ اس نے زور و شور سے سر ہلایا اور ساتھ ہی جھولا نظروں میں جھول گیا۔

مر مر کر تو اس رقم میں گھر کا ضروری سامان پورا ہوا تھا۔ جھولے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔ اس نے دل کے اندر چھانکا جہاں وہ پورے طمطراق سے موجود تھا اور دل کو تھپکی دے ڈالی..... کچھ عرصہ اور سہی۔

☆☆☆

اپنا گھر سیٹ کر کے جب وہ میکے رہنے آئی تو بھائی کے کمرے کے دروازے سے اسے جو شے دکھائی دی اس نے اسے پتھر کر دیا۔ یہ نظر کا دھوکا نہیں تھا، بخدا نہیں تھا۔ ادھ کھلے دروازے سے یہ کین کا جھولا ہی تھا جو شرارت سے اسے آنکھیں مار رہا تھا۔

وہ تیزی سے باہر نکلی۔ لاؤنج سے صحن اور صحن سے گیلری..... پھر گیلری کا بھی کونا..... کونے میں دیوار کی طرف منہ کیے اس نے زور زور سے سانس لیا۔ آنکھوں سے اندر کے غبار کو بہہ جانے دیا..... یہ غبار نہیں وہ ارمان تھے جو بیٹی کے اس چھت تلے پورے نہیں ہو پائے اور بہو کے ہو گئے۔

اس کی اور بھائی کی شادی ایک ساتھ ہی ہوئی تھی اور چند ماہ ہی لگے تھے بھابھی کو اپنی خواہش پوری کرنے میں جسے وہ بارہ سال اس چھت تلے رہتے پورا نہیں کر سکی تھی۔

''بیٹی کا شوق حسرت بنا دیا اور بہو کا جھٹ پورا کر ڈالا۔ واہ اماں واہ۔'' اماں اس کی کھوج میں سارا گھر چھان کر جب گیلری کی طرف آئیں تو ایک کونے میں اسے دبکے پایا۔

''میں نے کہاں.....؟ اس کے میاں کا پیسہ ہے۔ اسی نے دلایا ہے۔''

''پیسہ تو وہ بھی میرا ہی تھا، اپنی محنت کی کمائی تھی لیکن حکم آپ کا چلتا تھا اماں۔''

''اس کا گھر ہے۔ میں کیسے اسے حکم دوں کہ یہ کرو، وہ نہ کرو..... روک ٹوک اور حکم تو بیٹیوں پہ چلایا جاتا ہے، بہوؤں کی مانی جاتی ہے۔ اب یہ اس کا گھر ہے وہ یہاں جو چاہے کرے۔ تیرا گھر جہاں ہے وہاں تیری مرضی کا راج ہے۔''

اماں کی منطق اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ بری ماں سے اچھی ساس کیسے بن گئیں۔ وہ حساب کتاب میں شروع سے اچھی تھیں۔ بہو سے بنا کر رکھنا چاہتی تھیں کیونکہ انہیں اسی گھر میں اس کے ساتھ سکون اور عزت کے ساتھ رہنا تھا۔

''اچھا ہے جو آپ نے بتلا دیا کہ میں پرائی تھی کیونکہ بیٹی تھی۔ وہ مالکن ہے کیونکہ بہو ہے اور گھر تو بھائیوں کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کی بیوی سیاہ سفید کی مالک ہے۔'' وہ اسی متورم ناک سے میکے سے نکلتی چلی گئی۔

www.zemtime.com

اماں پیچھے لپکیں لیکن اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ بڑی سڑک تک پیدل چلتے وہ ایسے ہی روتی رہی تھی۔ ٹیکسی میں سوار بھی وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھی اور گھر آ کر بھی۔ تین دن اس کا سوگ رہا تھا جس میں اس نے میاں تک کو شامل نہیں کیا۔

ساری رنجشیں، کدورتیں اس کی گود بھرنے سے دور ہو گئیں اور وہ بچی کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ اولاد خود میں ایسے ہی مشغول کر لینے کا ہنر رکھتی ہے۔ زندگی پھر اسی کے لیے سوچتے اور جیتے گزرتی ہے۔ پھر "میں" کہاں اور کدھر ہو جاتا ہے۔

ضروریات کا دائرہ جو پہلے سے وسیع تھا اب مزید وسیع ہو گیا اور اخراجات محدود۔

"میں ٹیوشنز شروع کر رہی ہوں۔" گھر سے وہ بچی کی وجہ سے نکل نہیں سکتی تھی لیکن گھر پہ رہ کر تو کام کر سکتی تھی۔ کتنے جاننے والوں نے اسے ٹیوشنز کے لیے کہہ رکھا تھا لیکن وہی انکار کرتی رہی۔ ابھی وہی اقرار کر رہی تھی۔

سر شام بچوں کا ہجوم لگ جاتا، وہ کھیتی کیا نہ کرتی کے مصداق سو ضرورتوں میں میاں کا ہاتھ بٹانے لگی تو زندگی تھوڑی آسان ہو گئی۔

"میں ساتھ ساتھ تھوڑا سا جوڑ کر بھی رکھوں گی۔" رات سونیا کو سلاتے ہوئے وہ اظہر سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا ہے تاکہ برے وقت میں کام آ سکے۔"

"تاکہ میں کین کا جھولا خرید سکوں۔" اظہر نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا مغز گھوم گیا ہو۔

"چار سال بعد بھی تم اس کین کے جھولے سے نہیں نکلیں۔" وہ شادی کے چار سال کی بات کر رہا تھا اور شاکڈ تھا۔

"چار نہیں سولہ سال۔" وہ اپنا حساب بتا رہی تھی اور مطمئن تھی۔ اظہر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

بچت کیا خاک ہونا تھی کہ آئے دن نئے خرچے منہ اٹھائے کھڑے ہوتے۔ سارے ٹیوشن کے پیسے لگتے ہی جا رہے تھے۔ نجانے یہ قدرت کا کیسا پھیر تھا کہ آمدنی بڑھنے سے اخراجات خود بخود بڑھنے لگ گئے تھے۔ کبھی ضرورت کی صورت تو کبھی نقصان کی صورت۔

ایک مٹی کا گلا اس نے الماری میں چھپا دیا جس میں وہ ہر ماہ کی فیس ہاتھ آتے ہی سب سے پہلے دو سو ڈالا کرتی تھی۔ یہ گلا اس کی خواہش کے حصول کا جمع خانہ تھا۔ دو سو جمع کرتے کرتے کئی سال بیت جاتا تھے، کئی سال تو بیت چکے ہی تھے، کچھ اور سہی۔

"اس گلے کو تم تب توڑنا جب سونیا کو رخصت کر دو گی۔" راحیلہ نے طاق میں سجا اس کا گلا اور اس گلے کے پیچھے کی کہانی اس کی زبانی سن کر مشورہ دیا۔

"کیوں تب کیوں.....؟"

"کیونکہ تب تک ہی یہ اتنا بھر پائے گا کہ اس سے کین کا جھولا آ سکے۔" راحیلہ نے تو مذاق کیا تھا لیکن اسے دل پہ جا کر لگا تھا۔ سو یوں دو سو تین سو کا روپ دھار گئے اور کبھی کبھار بچت زیادہ ہو جاتی تو وہ بھی اسی گلے کی زینت بن جاتی۔

"وہ کیا کہتے ہیں کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے لیکن تمہاری تو بس یہ ایک ہی خواہش ہے جس پہ دم نکلتا ہے اور لگتا ہے کہ دم نکل ہی جائے گا۔" اظہر بھی اسے کبھی کبھار چھیڑ دیتے۔

"بھلے دم نکلے مگر خواہش پوری ہونے پہ۔" وہ چڑے بنا مزے سے کہتی۔

"غلام عباس کے "کتبے" کی طرح جھولا جان کو لگا لیا ہے۔ جیسے شریف حسین کا کتبہ اس کی قبر پہ لگا تھا، تمہارا جھولا بھی۔" اسے آنکھ مار کر بات ادھوری چھوڑ دی تو وہ بھی مسکرا دی۔

"چلو میاں جی! تم میری میت جھولے پہ سجا لینا۔ میں سمجھوں گی ہو گئی خواہش پوری....."

☆☆☆

۲۸ دسمبر کی شام جب وہ کچھ فراغت سے بیٹھی موبائل پہ وقت گزارتے سب کے اسٹیٹس دیکھ رہی تھی تو راحیلہ کے اسٹیٹس نے اسے ایک بار پھر سے

www.zemtime.com

پتھر کیا تھا۔ راحیلہ اس وقت ایک فرنیچر شاپ سے کین کا جھولا لے کر لوٹ رہی تھی۔ پہلے دل بھر آیا، پھر آنکھیں۔

''اماں! اچھا کیا کہ ایک بیٹی کو نہ سہی، دوسری کو اپنی کمائی اپنی خواہشات پہ لگانے کی اجازت دے ڈالی۔ میں نہ سہی، وہی سہی۔'' قدرت کا ہی پھیر تھا کہ خواہش اس کی تھی اور پوری دوسرے کرتے پھر رہے تھے۔ جب اس کے پاس پیسہ تھا تو اجازت نہیں مل سکی۔ اب اجازت کی ضرورت نہیں تھی تو پیسہ پلے نہیں تھا۔

''اب تو یہ ایسی خواہش بن چکی ہے کہ اسی خواہش پہ دم نکلے گا۔'' چہرے پہ پانی کے چھپاکے مارتے وہ باہر نکلی تو اظہر کسی سے ڈرائنگ روم میں بات کر رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں ہی رہی۔

''بیگم...... ادھر آؤ۔'' مہمان شاید جا چکے تھے یا وہ مہمانوں سے اسے ملوانے ہی بلوا رہے تھے۔ اپنا حلیہ درست کرتے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو پتھر کی بن گئی۔ سامنے وہی کم بخت اسے شرارت سے آنکھیں مار رہا تھا کہ دیکھو میں یہاں ہوں۔

''یہ...... یہ تو......'' اس کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ اگر وہ اس کے گھر میں تھا تو اسی کا تو تھا۔

''راحیلہ نے تمہارے لیے خریدا ہے۔'' اظہر نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ دھرتے مسکرا کر کہا۔

''میں پیسے جمع کر تو رہی تھی۔۔۔''

''اس نے کہا وہ کسی اور چیز پہ لگا دو۔ یہ تو اس کی طرف سے ہے۔ اور بیگم اگر وہ نہ بھی دیتی تو اس بار سالگرہ پہ تو میں نے ہی یہ تحفہ دے ڈالنا تھا کیونکہ جھولے پہ تم بیٹھو گی، نہ کہ تمہاری میت۔'' وہ بے اختیار روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

''میرا جھولا۔'' اس سے پہلے سونیا بھاگ کر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی تو اس نے آگے بڑھ کر اسے بٹھا دیا۔

''مما آپ بھی......'' وہ بھی سونیا کے ساتھ ہی ٹک گئی۔

''ہمارا پیارا جھولا......'' سونیا کہتے ہوئے فاطمہ سے لپٹ گئی۔ اس نے بھی آنکھیں موندے سر ایک طرف ٹکا دیا۔

''مما ہمارا جھولا......'' سونیا نے اپنے ننھے ہاتھ اس کے گالوں پہ رکھتے تصدیق چاہی۔

''یہ ہمارا پیارا جھولا۔'' وہ ہنوز اسی طرح بیٹھی رہی۔

''مما......'' سونیا کے ننھے ہاتھ اسے ٹٹول رہے تھے۔

''مما...... بابا...... مما'' اظہر اس کی آواز سن کر اندر آیا تھا۔ اس کے قریب آیا تو وہ جھولے کی پشت سے سر ٹکائے، آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ اس کا سانس رکا۔ کئی عرصے پہلے کی کہی بات یاد آئی۔

''جیسے شریف حسین کا کتبہ اس کی قبر پہ لگا تھا، تمہارا جھولا بھی......'' اس نے بے یقینی سے سر ہلاتے اس کی کلائی تھامی تو ہڑبڑا کر اس نے چھڑا لی۔ اظہر مسکرا دیا۔

''بیٹا! مما کی خواہش بڑے عرصے بعد پوری ہوئی ہے۔ اب وہ سکون سے سو گئی ہیں۔ چلو ہم چلیں۔'' سونیا کو گود میں لیے مسکراتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم کی لائٹ بند کر کے باہر چلا گیا۔

جھولے پہ پہلے وہ بیٹھی تھی، میت تو اب جب بھی بیٹھے ہی بیٹھے۔ ڈرائنگ روم میں اب ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے تھے کہ سترہ سال بعد جا کر کسی کی معصوم خواہش تکمیل تک پہنچی تھی۔

☆☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	بتول
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا